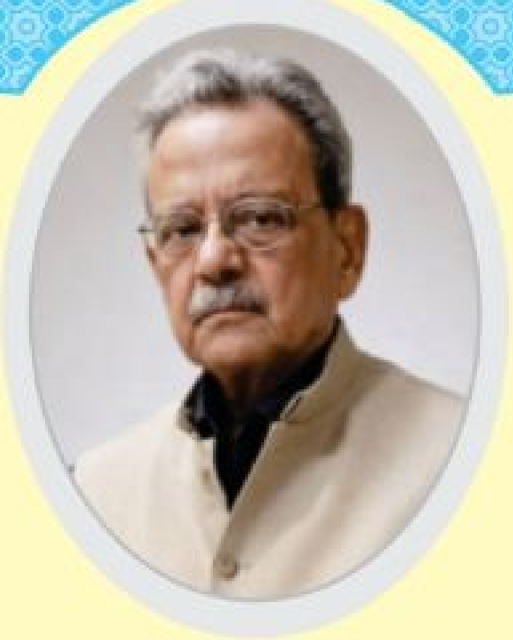

شمس الرحمٰن فاروقی
(۱۹۳۵ء۔۲۰۲۰ء)

شمس الرحمٰن فاروقی اردو زبان وادب کے نابغۂ روزگار اور کثیر الجہت شخصیت کے مالک تھے۔ انھوں نے صحافت، عروض، ترجمہ، تنقید و تحقیق، شاعری، ادب، لغت غرض اردو زبان و ادب کے کسی گوشے کو نہیں چھوڑا، ہر میدان میں اپنے جوہر دکھا کر خود کو منوالیا۔ شمس الرحمٰن فاروقی ۳۰ ستمبر ۱۹۳۵ء کو پرتاب گڑھ، اتر پردیش، ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان تعلیم سے وابستہ تھا۔ ان کے دادا حکیم مولوی محمد اصغر فاروقی معروف شاعر فراق گورکھپوری کے استاد تھے۔

شمس الرحمٰن فاروقی نے ۱۹۵۵ء میں الہ آباد یونیورسٹی سے انگریزی ادب میں ایم۔ اے کیا۔ اور ۱۹۵۶ء تا ۱۹۵۸ء تدریس کے شعبے سے وابستہ رہے لیکن بعد میں ہندوستان میں حکومتی سطح پر اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ چالیس سے زائد اردو اور انگریزی کتابیں لکھیں۔ ان کا ناول ''کئی چاند تھے سرِ آسماں'' اردو کا ایک شاہ کار تاریخی ناول مانا جاتا ہے۔ یہ ناول اٹھارویں اور اُنیسویں صدی کی ہند، اسلامی تہذیب کی بازیافت کرتا ہے۔

شمس الرحمٰن فاروقی نے اردو ادب میں جدیدیت کی بنیاد رکھی اور تنقید کے میدان میں انقلابی تبدیلیاں لائے۔ لسانی و لغت کے اعتبار سے اُن کی تصانیف میں لغاتِ روزمرّہ بہت اہمیت کی حامل ہے۔ سہ ماہی ''نئی کتاب'' کے صدرِ مجلس اور مجلّہ ''شب خون'' کی چالیس برس تک ادارت کی خدمات بھی سرانجام دیں۔ الہ آباد سے شائع ہونے والا یہ ماہنامہ اردو میں جدیدیت کا سب سے اہم پلیٹ فارم بنا۔ اس نے دونسلوں کے ادیبوں کی رہنمائی کی اور نئے خیالات کو فروغ دیا۔ ان کی تصنیف ''شعر شور انگیز'' پر انھیں ۱۹۹۶ء میں برصغیر کے سب سے بڑے ادبی اعزاز ''سرسوتی سمان'' سے نوازا گیا اور ۲۰۰۹ء میں پدما شری کے سول اعزاز سے سرفراز کیا گیا۔ انھیں علی گڑھ یونیورسٹی کی طرف سے ڈی۔ لٹ کی اعزازی ڈگری دی گئی جب کہ ان کی ادبی خدمات کے صلے میں ہندوستان کے کئی اداروں اور اکادمیوں کی طرف سے انھیں بہت سے اعزازات و انعامات عطا کیے گئے۔

شمس الرحمٰن فاروقی کو اردو ادب کا ''شمس اردو'' کہا جاتا ہے، کیوں کہ انھوں نے تنقید، تخلیق، تحقیق اور تہذیبی بازیافت کے ذریعے سے اردو کو نئی روشنی عطا کی۔ شمس الرحمٰن فاروقی ۲۵ دسمبر ۲۰۲۰ء کو الہ آباد میں وفات پا گئے۔

www.ilmkidunya.com

سبق: ۱۱

حکیم احسن اللہ خان

تدریسی مقاصد:

☆ شمس الرحمٰن فاروقی کی شخصیت، ادبی خدمات اور جدید فکشن میں ان کے مقام و مرتبے کو سمجھنا
☆ ناول کی تعریف، خصوصیات اور داستان اور افسانے سے اس کے فرق کو واضح کرنا
☆ ناول کے اہم کرداروں بالخصوص زیرِ مطالعہ سبق میں شامل "حکیم احسن اللہ خان" کے کردار کا مطالعہ کرنا
☆ مغلیہ اور برطانوی دور کے سماجی، تہذیبی اور ثقافتی پس منظر سے روشناس ہونا

www.ilmkidunya.com

تعارف:

شمس الرحمٰن فاروقی کا ناول "کئی چاند تھے سرِ آسماں" اردو ادب کا ایک اہم اور منفرد تاریخی ناول ہے، جو پہلی بار ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا۔ یہ ناول انیسویں صدی کی تہذیب، ثقافت اور سماجی زندگی کی عکاسی کرتا ہے، خصوصاً دہلی اور لکھنؤ کے زوال پذیر دور کو نہایت خوب صورتی سے پیش کرتا ہے۔

اس ناول کی کہانی نواب میرزا خاں داغ دہلوی کی والدہ وزیر خانم عرف چھوٹی بیگم کے گرد گھومتی ہے۔ وہ ایک غیر معمولی حسین اور باوقار خاتون تھیں جو اپنی ذہانت، حسن اور خودداری کی وجہ سے مختلف شخصیات کی توجہ کا مرکز بنیں۔ وہ شعر بھی کہتی تھیں اور شاہ نصیر کی شاگرد تھیں۔ استاد نے زہرہ تخلص عطا کیا تھا۔ ناول میں ان کی زندگی کے مختلف مراحل اور سماجی بندشوں کو بڑی دل کشی سے بیان کیا گیا ہے۔

"کئی چاند تھے سرِ آسماں" کی سب سے بڑی خوبی اس کی زبان و بیان ہے، جو نہایت شستہ، کلاسیکی اور دل نشین ہے۔ مصنف نے تاریخی حقائق کو تخیل کے ساتھ اس انداز میں پیش کیا ہے کہ قاری خود کو اس دور میں سانس لیتا محسوس کرتا ہے۔ یہ ناول نہ صرف ایک دل چسپ کہانی ہے بلکہ اس دور کی تہذیب، آداب، لباس، رہن سہن اور سماجی اقدار کا ایک جیتا جاگتا مرقع بھی ہے۔

ناول کے اہم کرداروں میں وزیر خانم عرف چھوٹی بیگم، مرزا فخرو، نواب رام پور، شمس الدین احمد خاں، مرزا داغ دہلوی، ولیم فریزر اور حکیم احسن اللہ خاں وغیرہ شامل ہیں۔

اپنے حسنِ اخلاق، انکسارِ مزاج، اور تشخیص و تجویز دونوں میں یکساں مہارت کے باعث حکیم احسن اللہ خان دِلّی والوں کی آنکھ کا تارا تھے۔ عمائد و عوام، وضیع و شریف، کیا ہندو کیا مسلمان، سب ان کا دم بھرتے تھے۔ طویل القامت، دوہرا بدن لیکن بھاری نہیں، چھوٹی چھوٹی روشن آنکھیں، سانولے چہرے پر چیچک کے ہلکے ہلکے داغ، علما و حکما کے طرز کی گول بھری ہوئی خوش نما داڑھی بہت سیاہ لیکن بہت لمبی نہیں، از

سرتا پا سفید لباس میں ملبوس حکیم صاحب اپنے دیوان خانے میں مطب کر رہے تھے۔ بہت لمبا اور کچھ کم چوڑا کمرہ، مشرقی دیوار سے لگا ہوا ایک وسیع چوبی تخت پوش جس پر گدے بچھے ہوئے، گدوں کے اوپر سفید چاندنی، چاندنی کے اوپر بیچوں بیچ میں سبز و سفید اور لاجوردی ریشمی قالین جس پر حکیم صاحب دوزانو بیٹھے تھے، اس طرح کہ مریض آسانی سے انھیں نبض دکھا سکے۔

حکیم صاحب کے دونوں جانب نسخہ نویس حکیم بیٹھے ہوتے تھے اور تخت پوش کے سامنے مریض دو رویہ لمبی لمبی چوکیوں یا کرسیوں پر تھے۔ حکیم صاحب باری باری نہایت خندہ پیشانی سے دائیں اور بائیں جانب کے ایک ایک مریض کی نبض دیکھتے۔ مریض کو خود اپنا حال بیان کرنے کی حاجت بہت کم پیدا ہوتی تھی، مرض کی نوعیت سمجھنے کے لیے نبض دیکھنا ہی حکیم صاحب کے لیے کافی تھا۔ عموماً دائیں ہاتھ کی نبض دیکھی جاتی لیکن کبھی کبھی دونوں کلائیوں کی نبض کا ملاحظہ ہوتا مگر یہ اسی وقت جب مریض کوئی ایسی بات کہتا یا ایسی شکایت کا ذکر کرتا جو حکیم صاحب کے لیے غیر متوقع ہوتی۔ حکیم صاحب شاذ و نادر ہی ایک دو سوال خود بھی کر لیتے تھے اور وہ زیادہ تر اپنی تشخیص کی تصدیق کے لیے ہوتا تھا۔ مثلاً ''آپ کی شادی خاصی عمر گزار کر ہوئی؟'' یا ''آپ کے دائیں گردے پر ورم ہے۔ پہلی بار درد ہوا اور بخار آیا تو آپ نے کسی طبیب سے رجوع نہیں کیا؟'' وغیرہ۔ تشخیص بہت جلد ہوتی اور پھر بے تاخیر، مگر نہایت پست آواز میں بلکہ زیرِ لب، نسخہ نویس صاحب کو نسخہ لکھوا دیا جاتا کسی مریض کو کچھ پوچھنا ہوتا تو جھک کر پوچھ لیتا۔ سوال کا جواب حکیم صاحب اسی طرح دو تین لفظوں میں اور اسی ہلکی آواز میں بتا دیتے تھے یا نسخہ نویس کی طرف سر سے اشارہ کر دیتے کہ ان سے پوچھ لیجیے۔ پورے ماحول پر متانت اور رُعب کی فضا تھی۔

حکیم صاحب کے یہاں نبض دکھانے کی کوئی فیس نہ تھی، ہاں مطب سے ملحق عطار کی دکان سے دوا لی جاتی تو اس کی قیمت ضرور لگتی تھی لیکن حکیم صاحب خدا جانے کون سا اشارہ کر دیتے تھے جسے بھانپ کر نسخہ نویس کسی کسی مریض کے نام کے ساتھ کوئی علامت بظاہر مبہم سی بنا دیتا جس کا مدعا ہوتا کہ اس مریض سے دوا کی قیمت نہ لی جائے، یا نصف لی جائے اور اگر مطب کے عطار سے دوا نہ لی جاتی تو بھی کچھ حرج نہ تھا۔

ولیم فریزر کے فرستادہ ایک برچھیت اور ایک چوبدار حکیم احسن اللہ خان کے مطب میں اس وقت داخل ہوئے جب دوپہر شروع ہو رہی تھی، کوئی بارہ پونے بارہ کا عمل رہا ہوگا۔ نو واردوں کو اشارہ کیا گیا کہ منتظرین میں اپنی مناسب جگہ لے لیں لیکن وہ درانہ آگے بڑھتے ہوئے حکیم صاحب کے پاس پہنچ گئے۔ چوبدار سلام کر کے بولا:

''حضور کو صاحب کلاں بہادر نے یاد فرمایا ہے۔''

حاضرین میں سے بعض کی تیوری پر بل آیا۔ کچھ کی برہمی کا باعث یہ تھا کہ ریزیڈنٹ کو کوئی حق نہ تھا کہ وہ بادشاہ کی رعایا، علی الخصوص بادشاہ کے معالج کو اپنے یہاں طلب کرے۔ کچھ کو اس وجہ سے تردّد ہوا کہ حکیم صاحب اب اٹھ جائیں گے اور ہم لوگ آج انھیں نبض نہ دکھا سکیں گے لیکن حکیم صاحب نے اپنے معمولہ لہجے میں پوچھا:

''کیوں، کیا معاملہ ہے؟ کچھ طبیعت ناساز ہے کیا؟''

''ہم لوگوں کو خبر نہیں سرکار! ہمیں بس یہی حکم ہوا کہ حکیم جی صاحب کو ہمارا سلام پہنچاؤ اور ابھی ساتھ لے کر پھرو۔''

www.ilmkidunya.com

''ابھی تو میں مریضوں کو دیکھ رہا ہوں۔ظہر کے ذرا پہلے اٹھوں گا، پھر نماز پڑھ کر تمھارے ساتھ چل سکوں گا، سمجھے؟''

''مگر صاحب نے تو۔۔۔'' چوبدار نے کہنا شروع کیا۔

''ٹھیک ہے، صاحب نے کہا ہے۔'' حکیم صاحب نے قطع کلام کیا لیکن لہجے میں کوئی درشتی یا ناخوش گواری نہ تھی۔''لیکن میں تو اتنے لوگوں کو اِدھر میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔تم چاہو تو جا کر نواب ریزیڈنٹ بہادر کو مطلع کر دو۔''

ظاہر ہے کہ اس کے آگے چوبدار کو کیا چارہ تھا۔دونوں خدّام چپ چاپ ایک طرف بیٹھ کر حکیم صاحب کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگے۔حکیم صاحب اپنے وقت سے اٹھے، نماز ادا کر کے برآمد ہوئے اور اپنے ہوادار میں سوار ہو گئے۔دونوں نفر ہوادار کے ساتھ تیز تیز چلے۔

جب حکیم احسن اللہ خان بہادر کا ہوادار ولیم فریزر کی کوٹھی کے دروازے پر پہنچا تو چار بج رہے تھے۔نوبت خانے کے محافظ نے بتایا کہ صاحب کلاں بہادر تو اب اٹھ گئے ہوں گے، آپ بہر حال تشریف لے جائیں، شاید ملاقات ہو جائے۔

حکیم صاحب اور فریزر کی گفت گو بڑے ملاقاتی کمرے میں نہیں بلکہ اس سے ملحق دربار کمرے میں ہوئی۔چاروں طرف دیواروں پر انگریزی، فارسی، لاطینی اور یونانی کتابیں سجی ہوئیں، سامنے بڑی سی میز جس کے ایک سرے پر فریزر انگریزی لباس میں مقطع مسجع بیٹھا ہوا خاصا پُر رعب لگ رہا تھا۔ایک عصا بردار اور ایک مگس ران پشت پر، ایک چوبدار اس کے دائیں ہاتھ کی طرف کاغذوں کا بستہ لیے ہوئے، کچھ کاغذ سامنے میز پر پھیلے ہوئے، فریزر کی توجہ کاغذوں پر تھی جب باہری چوبدار نے آواز لگائی:

''عمدۃ الملک حکیم احسن اللہ خان بہادر۔''

فریزر نے آنکھ اٹھا کر حکیم صاحب کو دیکھا۔اس کے پہلے کہ وہ انھیں بیٹھنے کا اشارہ کرے، حکیم صاحب اسے ہاتھ کے اشارے سے سلام کر کے خود ہی پاس والی صندلی پر متمکن ہو گئے۔فریزر نے اشارے سے تمام نوکروں کو رخصت کیا، نیم قد کھڑے ہو کر حکیم صاحب کی تعظیم کی اور کہا:

''عمدۃ الملک! آپ تشریف لائے، میں بہت ممنون ہوں۔''

حکیم صاحب نے کچھ جواب نہ دیا، صرف سر کو خفیف سا خم کیا، گویا کہ رہے ہوں کہ ٹھیک ہے، میں آپ کے بلاوے پر آ گیا لیکن یہ تکلّفات نہ کیجیے، برسرِ مطلب آیئے۔فریزر نے ایک لمحہ انتظار کیا لیکن جب دیکھا کہ حکیم صاحب کو رسمی گفتگو میں دلچسپی نہیں، تو اس نے مزید کہا:

''عمدۃ الملک! آپ کی مدبّرانہ لیاقت اور سُوجھ بُوجھ کے سب قائل ہیں۔''

اب حکیم صاحب کو کچھ جواب دیتے ہی بنی۔انھوں نے آداب بجا لا کر کہا:''نواب ریزیڈنٹ بہادر کی کرم گستری اور قدر افزائی ہے۔''

فریزر نے مسکرا کر کہا:''آپ کو آج زحمت دہی کا سبب یہی ہے۔''

www.ilmkidunya.com

''میرے لائق جو خدمت ہوگی میں اس سے دریغ نہ کروں گا۔'' حکیم صاحب کا لہجہ متین لیکن خشک اور محتاط تھا۔

''حکیم صاحب! من حیث المجموع مجھے دہلی اور اہلِ دہلی سے کوئی شکایت نہیں لیکن مجھے افسوس ہے کہ معاملاتِ ریاست کے نظم و نسق میں نواب شمس الدین احمد بے حد ڈھیل دے رہے ہیں۔ ان کی بعض حرکات سے مجھے خود تکلیف پہنچی ہے۔ میں چاہتا ہوں آپ انھیں تنبیہ کریں کہ مجھے حسبِ سابق اپنا بزرگ اور بہی خواہ گردانیں، ایسا کچھ نہ کریں جو میرے لیے موجبِ ملال اور ان کے لیے باعثِ پریشانی ہو۔''

پھر ایک لمحہ خاموش رہ کر، گویا غور کر رہا ہو کہ یہ بات ظاہر کرے یا نہ، وہ بولا ''نواب گورنر جنرل بہادر کے بھی دل میں ان کی طرف سے مَیل آسکتا ہے۔''

حکیم احسن اللہ خان ایک دو لحظہ چپ رہے۔ فریزر کی ساری باتیں خلافِ قاعدہ اور مدبّرانہ حکمتوں سے خالی تھیں۔ اسے اگر نواب شمس الدین احمد سے کوئی پرخاش تھی تو یہ قضیہ اس کا تھا اور اس کا حل بھی اسے ہی نکالنا چاہیے تھا۔

''صاحب کلاں بہادر کی طبعِ وقاد پر یہ امر تو روشن ہوگا کہ نواب شمس الدین احمد، بلکہ نواب احمد بخش خان مرحوم کے سارے ہی اخلاف پر، میرا کوئی زور نہیں۔''

''لیکن آپ نواب احمد بخش خان کے ذاتی معالج تھے۔ شمس الدین احمد بچپن میں آپ کی گودوں میں کھیلا ہے۔''

''جی ہاں۔ تھا۔ اب نہ نواب ہیں نہ میری معالجی باقی ہے۔'' حکیم صاحب نے سرد لہجے میں کہا۔

فریزر کے چہرے پر برہمی کے آثار نمایاں ہوئے۔ یہ ہندوستانی مسلمان ہوتے ہی بڑے بد دماغ ہیں لیکن یہ شخص تو اپنے بھلے بُرے کے خیال سے بھی عاری معلوم ہوتا تھا۔ فریزر نے اب ذرا بلند آواز سے کہا:

''حکیم صاحب! ہم ہر چیز کی خبر رکھتے ہیں۔ دِلّی میں کیا ہے جو ہم پر آئینہ نہیں۔ ہم نے جس کام کے لیے آپ کو پسند کیا ہے اس کے لیے آپ موزوں ترین شخص ہیں۔''

''بہتر ہے، میں مقدور بھر کوشش کروں گا، کوتاہی ہرگز نہ کروں گا۔''

''آپ شمس الدین احمد کو آگاہ کر دیں کہ چھوٹی بیگم کا خیال چھوڑ دیں۔ آپ انھیں صاف صاف بتا دیں کہ یہ میرا پیغام ہے اور آپ کو بے واسطۂ غیر مجھ سے ملا ہے۔''

''اس اعتماد کے لیے میں صاحب کلاں بہادر کا ممنون ہوں لیکن نہ تو میرا شمس الدین احمد پر کوئی داب یا اثر ہے اور نہ یہ میرا منصب ہے کہ میں ان کے پاس آپ کا پیغام لے جاؤں۔''

''کیوں، منصب کیوں نہیں؟'' فریزر نے سرکہ جبیں ہو کر کہا: ''کیا آپ سرکار کمپنی بہادر کے وفادار نہیں ہیں؟''

''خطا معاف لیکن میں نہیں گمان کرتا کہ اس معاملے کا کوئی ربط وفاداری سرکار کمپنی سے ہے۔'' حکیم صاحب نے بھی تیوری پر بل لا کر

www.ilmkidunya.com

جواب دیا۔''اور بالفرض اگر ہو بھی تو میں نمک خوار بادشاہ کا ہوں، نمک خوارِ کمپنی نہیں۔''

''اور تمھارا بادشاہ کمپنی بہادر کا نمک خوار ہے عمدۃ الملک حکیم احسن اللہ خان!''

''اپنا اپنا خیال ہے نواب ریزیڈنٹ بہادر!'' حکیم صاحب کا لہجہ اور بھی خشک ہو گیا تھا۔''ظلِ الٰہی اور ان کے اسلاف کو تختِ دہلی پر حکمرانی کرتے دو سو سے زیادہ برس ہو گئے۔۔۔''

''ہم نے آپ کو یہاں تاریخ کا درس دینے کے لیے نہیں طلب کیا ہے حکیم صاحب!''

''جی ہاں، اور نہ نسخۂ عرقِ گاؤزبان کے لیے۔ اور یہی دو کام میں جانتا ہوں۔ مجھے رنج ہے کہ میں آپ کے لیے ناکارہ ثابت ہوا۔''

حکیم احسن اللہ خان نے صندلی سے اٹھ کر بڑے وقار اور رواداری سے آداب کیا اور کمرے سے باہر نکل گئے۔

اِذنِ رخصت کے بغیر دربار کمرے سے باہر نکل جانا فریزر کی سخت توہین تھی۔ اس وقت تو وہ سب کچھ برداشت کر گیا کہ اسے اپنی بھی عزت کا خیال تھا لیکن اس دن سے کمپنی بہادر اور حکیم احسن اللہ خان کے درمیان خاموش جنگ چھڑ گئی۔ ایک فریزر ہی پر موقوف نہ تھا، فریزر کے بعد بھی ہر ریزیڈنٹ کے دل میں حکیم احسن اللہ کے خلاف از خود گرہ پڑ جاتی یا شاید دفتری یادداشتوں میں یہ مضمون درج تھا کہ حکیم کے ساتھ مہربانی کا سلوک نہ کیا جائے بلکہ ہمیشہ پہلوتہی کی جائے، کہ جس کی بنا پر حکیم صاحب کے تئیں ہر ریزیڈنٹ کا برتاؤ معاندت کا نہیں تو بے رخی کا ضرور رہتا۔ ایک بار بہادر شاہ کی بادشاہی کے زمانے (۱۸۴۶ء) میں حکیم احسن اللہ خان نے صلح صفائی کی بھی کوشش کی کہ نواب ریزیڈنٹ بہادر کے دل میں کوئی غبار ہو تو نکل جائے لیکن بادشاہ کی سفارش کے باوجود حکیم احسن اللہ خان کا وجود انگریزوں کے لیے ناپسندیدہ ہی رہا۔

ولیم فریزر کی کوٹھی سے حویلی مبارک خاصے فاصلے پر تھی اور حکیم صاحب کو اندیشہ تھا کہ وہاں پہنچتے پہنچتے عصر کا وقت نکل جائے گا۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ عصر کی نماز فتح پوری کی جامع مسجد پر ادا کروں گا اور پھر لاہوری دروازے پر حاضر ہو کر شاہِ جم جاہ کے حضور باریابی کا طالب ہوؤں گا۔ ولیم فریزر کی گفت گو کا پورا احوال بادشاہ کے گوش گزار کرنا ضروری تھا، نہ صرف اس لیے کہ نواب شمس الدین احمد یا کسی بھی ہندوستانی منصب دار یا عمدہ کے بارے میں کوئی اطلاع ان تک پہنچتی جو ملکی اعتبار سے اہمیت کی حامل ہو سکتی تھی، تو ایسی اطلاع کو بادشاہ تک پہنچانا ان کے فرائضِ منصبی میں تھا، بلکہ اس لیے بھی کہ حکیم احسن اللہ خان کو اپنے یہاں طلب کر کے فریزر نے آدابِ سلطنت کو ملحوظ نہ رکھا تھا۔ حکیم احسن اللہ خان کو طلب کرنا اس کے اختیار میں نہ تھا اور اگر بلوانا ہی تھا تو بادشاہ کے توسط سے بلوانا تھا۔ لہٰذا حکیم صاحب کے لیے یہ ضروری تھا کہ فریزر نے آدابِ سلطنت کی جو خلاف ورزی کی تھی اس کی اطلاع وہ ظلِ سبحانی تک پہنچا دیتے۔

شام کا دربار برخواست ہو چکا تھا اور ظلِ سبحانی خاصہ تناول فرمانے کے لیے اٹھ رہے تھے لیکن حکیم احسن اللہ خان کو باریابی کی اجازت مل گئی۔ بادشاہ نے خاموشی سے احسن اللہ خان کا اظہار سنا۔ انھیں برا تو بہت لگا کہ فریزر کی ہمتیں اتنی کھل گئی ہیں لیکن حکیم صاحب کے سامنے کچھ ظاہر نہ کرنا ہی بہتر تھا، کیونکہ بادشاہوں کی خفگی بے نتیجہ نہیں ہوتی۔ اور ظاہر ہے کہ بادشاہ کے پاس اس وقت کوئی طاقت نہ تھی جس کے بوتے پر وہ فریزر کے بارے میں کوئی مؤثر اقدام کر سکتے۔ بل تو اپنا ہی بل، نہیں تو جاوے جل، الہٰذا اپنی خفگی، یا کسی بھی تاثر کو ظاہر کرنا

www.ilmkidunya.com

بادشاہ کی صوابدید کے برعکس تھا۔ گورنر جنرل کے پاس شکایت بھیجنا ضرور ممکن تھا لیکن وہ کام بھی موقع محل دیکھ کر ہی کیا جا سکتا تھا اور اس کا بھی نتیجہ معلوم تھا۔ ہر چند کہ عرش آرام گاہ حضرت اکبر شاہ ثانی کے زمانے تک بادشاہ اور گورنر جنرل میں براہِ راست مراسلت ہوتی تھی (بعد میں یہ مراعات بھی باقی نہ رہی)، لیکن ایسی مراسلت کی خبر اور اس کے محتویات پر اطلاع ریزیڈنٹ کو بہر حال ہو جاتی یا کر دی جاتی تھی۔ اکثر و بیشتر گورنر جنرل کے یہاں سے بھی بادشاہ کا شُقّہ ریزیڈنٹ ہی کے پاس اظہار اور کیفیت کے لیے بھیج دیا جاتا تھا۔

بادشاہ کی بارگاہ سے اِذنِ رخصت حاصل کر کے حکیم احسن اللہ خان دیوانِ خاص سے باہر آئے تو موتی مسجد میں مغرب کی اذان ہو رہی تھی۔ مسجد میں باجماعت نماز ادا کر کے انھوں نے اپنے معمولہ طویل نوافل پڑھنا ملتوی رکھا اور باہر آ کر ہوادار کے کہاروں کو حکم دیا کہ دریا گنج میں نواب شمس الدین احمد کی حویلی پر چلو۔ وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ نواب صاحب تشریف فرما نہیں ہیں۔ مردہے کو ہدایت کر کے کہ نواب صاحب جب آئیں تو انھیں بتا دینا کہ احسن اللہ آیا تھا اور نواب مناسب جانیں تو کل صبح چتلی قبر میں بوقتِ مطب مجھے مل لیں، حکیم صاحب واپس اپنی حویلی پر آئے۔ فریزر سے ملاقات اور اس کے بے ہنگام و بے ضابطہ مطالبات نے ان کا دل منغض کر دیا تھا، لیکن ان کے اضطراب کا اصل سبب یہ نہ تھا۔

فریزر کی رعونت اور اس کا یہ اعتماد کہ وہ خود کو ملکِ ہند کے رؤسا اور زعما کے گھریلو معاملات اور نجی کردار و اطوار میں مداخل ہونے کا استحقاق رکھتا تھا، یہ باتیں ملکِ ہند اور اہلِ ہند کے لیے کسی خوش آیند مستقبل کی خبر نہ دیتی تھیں۔ مانا کہ وہ شمس الدین احمد پر ایک طرح کا حق رکھتا تھا کہ وہ نواب احمد بخش خان کا دوست رہ چکا تھا اور عام حالات میں شمس الدین احمد اسے "چچا جان" پکارتے تھے لیکن گھر کی بات اور تھی۔ بلکہ اس صورت میں تو یہ اور بھی ضروری تھا کہ فریزر ان معاملات میں درگزر کرے اور چشم پوشی سے کام لے جن کا کوئی تعلق انتظام و انصرامِ ملک سے نہ ہو۔ یہ رعونت اور جابرانہ گھمنڈ فرنگی مزاج کا خاصہ تھا۔ حکیم احسن اللہ خان کو اندیشہ تھا کہ اقتدار میں افزائش کے ساتھ صاحبان انگریز کے عُجب و تکبر اور اہلِ ہند کے تئیں ان کے استخفافانہ برتاوے میں اور بھی اضافہ ہوگا۔ امرا کی امارت، شرفا کی شرافت اور غربا کی غیرت، سب کی فصلیں ایک ہی درانتی سے کٹیں گی اور اگر یہ لوگ حاکم بن بیٹھے تو فرعون و نمرود کے بھی کان کاٹیں گے۔

اگلی صبح کو شمس الدین احمد نے حکیم احسن اللہ خان کے مطب پر ان سے ملاقات کی۔ حکیم صاحب نے انھیں تخلیے میں لے جا کر تمام باتیں بتا دیں اور یہ بھی بتا دیا کہ میں نے ساری روداد اعلیٰ حضرت کے سمعِ میمون تک بھی پہنچا دی ہے لیکن حکیم صاحب نے چھوٹی بیگم کے بارے میں کچھ بھی تجسُّس نہ جتایا، اور نہ شمس الدین احمد کو اس ضمن میں کوئی نصیحت کی یا مشورہ دیا۔ شمس الدین احمد چپ چاپ سنتے رہے لیکن جب حکیم احسن اللہ پوری بات کہ کر خاموش ہوئے تو شاہی حزم و تمکین کے برعکس نواب کی طرف سے برہمی اور بیزاری اور فریزر کے خلاف دھمکیوں کے اعلان و اظہار میں کچھ تکلّف نہ ہوا۔ نواب جب گرج برس کر چلے گئے تو حکیم صاحب نے پھر اپنا مطب سنبھالا۔ آج بھیڑ معمول سے کچھ زیادہ تھی۔

(کئی چاند تھے سرِ آسماں)

www.ilmkidunya.com

مشق

۱۔ مختصر جوابات تحریر کریں:

(الف) حکیم احسن اللہ خان کی شخصیت کیسی تھی؟

(ب) حکیم احسن اللہ خان مرض کی تشخیص کیسے کرتے تھے؟

(ج) مطب سے حکیم احسن اللہ خان کو کس نے بُلا بھیجا تھا؟

(د) فریزر کی اہلِ ہند کے بارے میں کیا رائے تھی؟

(ہ) فریزر کی باتوں کا نواب شمس الدین احمد پر کیا اثر ہوا؟

۲۔ سبق کے متن کے مطابق درست جواب کا انتخاب کریں:

(الف) حکیم احسن اللہ خاں آنکھ کا تارا تھے:

(i) لکھنؤ والوں کی　(ii) دلی والوں کی　(iii) کلکتہ والوں کی　(iv) لاہور والوں کی

(ب) حکیم صاحب کے دونوں جانب بیٹھے ہوتے تھے:

(i) مریض　(ii) نسخہ نویس حکیم　(iii) چوبدار　(iv) عطّار

(ج) حکیم صاحب کو نبض دکھانے کی فیس تھی:

(i) دو آنے　(ii) ایک آنہ　(iii) ایک روپے　(iv) کوئی نہیں

(د) حکیم احسن اللہ خان ذاتی معالج تھے:

(i) واب احمد بخش خان　(ii) ولیم فریزر　(iii) چھوٹی بیگم　(iv) نواب شمس الدین احمد

(ہ) بادشاہ اور گورنر جنرل میں براہِ راست مراسلت ہوتی تھی، کے زمانے تک:

(i) اورنگ زیب　(ii) جہانگیر　(iii) بہادر شاہ ظفر　(iv) اکبر شاہ ثانی

(و) حکیم احسن اللہ خان دیوانِ خاص سے باہر آئے تو مغرب کی اذان ہو رہی تھی:

(i) بادشاہی مسجد میں　(ii) موتی مسجد میں　(iii) سنہری مسجد میں　(iv) جامع مسجد دہلی میں

۳۔ حکیم احسن اللہ خان کے مطب کا نقشہ کھینچیں اور مریضوں کی تشخیص کا احوال بیان کریں۔

۴۔ ولیم فریزر کے بلاوے اور حکیم احسن اللہ خاں سے ملاقات کی کیفیت بیان کریں۔

www.ilmkidunya.com

۵۔ درج ذیل الفاظ میں سے واحد کے جمع اور جمع کے واحد لکھیں۔

خطابات، خاص، اکتسابات، کمالات، ربط، مدرسہ، شرفا، علما، اطبّا، نسخہ، طبع

٦۔ ولیم فریزر سے ملاقات اور گفت گو کا حال پیشِ نظر رکھتے ہوئے حکیم احسن اللہ خان کی غیور اور خود دار شخصیت کا مرقع پیش کریں۔

۷۔ اس سبق کا خلاصہ تحریر کریں۔

۸۔ درج ذیل اقتباسات کی تشریح سیاق و سباق کے ساتھ کریں۔

(الف) فریزر کی رعونت۔۔۔۔۔۔۔فرنگی مزاج کا خاصہ تھا۔

(ب) اذنِ رخصت کے بغیر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔انگریزوں کے لیے ناپسندیدہ ہی رہا۔

سرگرمیاں برائے طلبہ:

☆ خطاب، لقب، تخلص، کنیت، عرف وغیرہ اسمِ علم کی مختلف قسمیں ہیں۔ اس سبق میں استعمال ہونے والے ''اسمِ علم'' الگ الگ کر کے فہرستیں بنائیں۔

☆ انگریزوں کے آنے اور پھر اُن کے مکمل طور پر تسلط کے بعد مسلم تہذیب و معاشرت پر کیا اثرات مرتب ہوئے؟ نیز مغلیہ سلطنت کے زوال کے ایام میں مسلمانوں کی اقدار اور روایات کی صورتِ حال کیا تھی؟ اس سبق کی روشنی میں باہمی گفت گو میں اظہارِ خیال کریں۔

www.ilmkidunya.com

برائے اساتذہ کرام:

☆ ناول کی صنف کے بارے میں طلبہ کو تفصیل سے آگاہ کریں۔

☆ شمس الرحمٰن فاروقی کے ناول ''کئی چاند تھے سرِ آسماں'' کا مکمل محاکمہ پیش کریں۔

☆ زیرِ مطالعہ سبق کی تفہیم اور تنقیدی پہلو اجاگر کریں۔

☆ ناول کے تہذیبی اور تاریخی عناصر پر گفت گو کریں۔

☆ زبان کے کلاسیکی رنگ اور اس کی فنی خوب صورتی کو نمایاں کریں۔